

# تذکرہ انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

انس

مولینا سید ابوالاعلیٰ امودودی معقود

## باب اول — قصہ آدم

(قسط ۲)

## تخلیق انسانی کے متعلق مزید تصریحات قرآنی

انسان قابل ذکر نہ تھا

کیا انسان پر لائن ہی زمین کا ایک وقت  
ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر  
چیز نہ تھا۔

هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ  
الَّذِي هُوَ كَوْمٍ شَيْئًا مَّا كَوْنًا

(الذہر - آیت ۱)

پہلا فقرہ ہے هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ۔ اکثر مفسرین و مترجمین نے یہاں هَلْ کو قَدْ کے معنی میں لیا ہے اور وہ اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ بے شک یا بلاشبہ انسان پر ایسا ایک وقت آیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ هَلْ عربی زبان میں 'کیا' کے معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے، اور اس سے مقصود ہر حال میں سوال ہی نہیں ہوتا بلکہ مختلف مواقع پر یہ بظاہر سوالیہ لفظ مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے۔ مثلاً کبھی تو ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ فلاں واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں اور کسی سے پوچھتے ہیں 'کیا یہ واقعہ پیش آیا ہے؟' کبھی ہمارا مقصود سوال کرنا نہیں ہوتا بلکہ کسی بات کا انکار کرنا ہوتا ہے اور یہ انکار اس انداز میں کرتے ہیں کہ 'کیا یہ کام کوئی اور بھی کر سکتا ہے؟' کبھی ہم ایک شخص سے کسی بات کا اقرار کرنا چاہتے ہیں اور اس غرض کے لیے اس سے پوچھتے ہیں کہ 'کیا میں نے تمہاری رقم ادا کر دی؟' اور کبھی ہمارا مقصود محض اقرار ہی کرنا نہیں ہوتا بلکہ سوال ہم اس غرض کے لیے کرتے ہیں کہ مخاطب کے ذہن کو ایک اور بات سوچنے پر مجبور کر دیں جو لازماً اس کے اقرار سے بطور نتیجہ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ہم کسی سے پوچھتے ہیں 'کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی کی ہے؟' اس سے مقصود صرف یہی نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کا اقرار کرے کہ آپ نے اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے، بلکہ اسے یہ سوچنے پر مجبور کرنا بھی مقصود ہوتا ہے کہ جس نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے اس کے ساتھ میں برائی کرنے میں کہاں تک حق بجانب ہوں۔

آیت زیر بحث میں سوائے فقرہ دراصل اسی آخری معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ اس سے مقصود انسان سے صرف یہی اقرار کرنا نہیں ہے کہ فی الواقع اس پر ایک وقت ایسا گزرا ہے، بلکہ اسے یہ سوچنے پر مجبور کرنا بھی ہے کہ جس خدا نے اس کی تخلیق کا آغاز ایسی حقیر سی حالت سے کر کے اُسے پورا انسان بنا کر رکھا۔ وہ آخر اسے دوبارہ پیدا کرنے سے کیوں عاجز ہو گا؟

دوسرا فقرہ ہے **حِينَ مِّنَ السَّاعَةِ وَنَحْنُ نَعْرِضُهُ لِمَن نَّشَاءُ**۔ مراد وہ لائق ہی زمانہ ہے جس کی نہ ابتدا انسان کو معلوم ہے اور نہ انتہا، اور عین سے مراد وہ خاص وقت ہے جو اس لائق ہی زمانے کے اندر کبھی پیش آیا ہو۔ کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس لائق ہی زمانے کے اندر ایک طویل مدت تو ایسی گزری ہے جب سر سے نوری انسانی ہی موجود نہ تھی۔ پھر اس میں ایک وقت ایسا آیا جب انسان نام کی ایک ذرہ کا آغاز کیا گیا۔ اور اس زمانے کے اندر ہر شخص پر ایک ایسا وقت آیا ہے جب اسے عدم سے وجود میں لانے کی ابتدا کی گئی۔

تیسرا فقرہ ہے **فَوَجَدُكُمْ فِيهَا رُجُلًا نَّكِبًا**، یعنی اس وقت وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ اس کا ایک حصہ باپ کے نطفے میں ایک خوردبینی کیڑے کی شکل میں اور دوسرا حصہ ماں کے نطفے میں ایک خوردبینی بیضے کی شکل میں موجود تھا۔ مدتہائے دراز تک تو انسان یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ دراصل وہ اس کیڑے اور بیضے کے ملنے سے وجود میں آتا ہے۔ اب طاقتور خوردبینوں سے ان دونوں کو دیکھ تو لیا گیا ہے لیکن اب بھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتنا انسان باپ کے اس کیڑے میں اور کتنا ماں کے اس بیضے میں موجود ہوتا ہے۔ پھر استقرارِ حمل کے وقت ان دونوں کے ملنے سے جو ابتدائی خلیہ (CELL) وجود میں آتا ہے وہ ایک ایسا ذرہ بے مقدار ہوتا ہے کہ بہت طاقتور خوردبین سے نظر آ سکتا ہے اور اسے دیکھ کر بھی بادی النظر میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی انسان بن رہا ہے کہ اس حقیر سی ابتداء سے نشوونما پا کر کوئی انسان اگر بنے گا بھی تو وہ کس قدر قامت، کس شکل و صورت، کس قابلیت اور شخصیت کا انسان ہوگا۔ یہی مطلب ہے اس ارشاد کا کہ اس وقت وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا اگرچہ انسان ہونے کی حیثیت سے اس کے وجود کا آغاز ہو گیا تھا۔

مادۂ تخلیق

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ  
ہم نے انسان کو سڑھی ہوئی مٹی کے ٹوکے گارے

مِنْ حَمَاءٍ مَّسْنُونٍ (الحجور۔ آیت ۲۶) سے بنایا۔

یہاں قرآن اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا بشریت کے حدود میں نہیں آیا ہے، جیسا کہ نئے دور کی ڈارونیت سے متاثر مفسرین، قرآن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی ابتداء براہ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے صَلْصَالِ مِنْ حَمَاءٍ مَّسْنُونِ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ كُفْرًا  
تَعْمَادًا أَنْتُمْ بَشَرًا تَشْرُونَ -  
اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو  
مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کیا ایک تم بشر ہو کر زمین  
میں پھلتے چلے جا رہے ہو۔  
(الدوم۔ آیت ۲۰)

انسان کا مایہ تخلیق اس کے سوا کیا ہے کہ چند بے جان مادے ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں مثلاً کچھ کاربن، کچھ کیلیم، کچھ سوڈیم اور ایسے ہی چند اور عناصر۔ انہی کو ترکیب دے کر وہ حیرت انگیز ہستی بنا کر کھڑی کی گئی ہے جس کا نام انسان ہے اور اس کے اندر احساسات، جذبات، شعور، تعقل اور تخیل کی وہ عجیب قوتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن میں سے کسی کا منبع بھی اس کے عناصر ترکیبی میں تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہی نہیں کہ ایک انسان اتفاقاً ایسا بن کھڑا ہو، بلکہ اس کے اندر وہ عجیب تولیدی قوت بھی پیدا کر دی گئی جس کی بدولت کوڑوں اور اربوں انسان وہی ساخت اور وہی صلاحیتیں لیے ہوئے بے شمار موروثی اور بے مدد حساب انفرادی خصوصیات کے حامل نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا تمہاری عقل یہ گواہی دیتی ہے کہ یہ انتہائی حکیمانہ خلقت کسی صنایع حکیم کی تخلیق کے بغیر آپ سے آپ ہو گئی ہے، کیا تم بحالت ہوش و حواس یہ کہہ سکتے ہو کہ تخلیق انسان جیسا عظیم الشان منصوبہ بنانا اور اس کو عمل میں لانا اور زمین و آسمان کی بے مدد حساب قوتوں کو انسانی زندگی

لے حملہ عربی زبان میں ایسی سیاہ کیمپ کو کہتے ہیں جس کے اندر لہر پیدا ہو چکی ہو، بالفاظ دیگر خمیر اٹھا آیا ہو مسنون کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی میں متغیر، متنبہ اور اٹلس یعنی ایسا مٹری ہوئی مٹی جس میں سڑنے کی وجہ سے چکناٹی پیدا ہو گئی ہو، دوسرے معنی میں مصدود اور مصبوب، یعنی قالب میں ڈھلی ہوئی جس کو ایک خاص صورت دے دی گئی ہو۔ صلصال اس سوکھے گارے کو کہتے ہیں جو خشک ہو جانے کے بعد بچنے لگے۔ یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خمیر اٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلا بنا یا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی۔

یہی سازگار کر دینا بہت سے خداؤ کی بنا کر تمہیں کا نتیجہ ہو سکتا ہے، اور کیا تمہارا داغ اپنی صحیح حالت میں، جو اب سے جب تم یہ گانا کرتے ہو کہ جو خدا انسان کو خالص عدم سے وجود میں لایا ہے وہ اسی انسان کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے لطف سے پیدا کیا اور پھر وہ سرخ جگر الو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے

أَدَلُّوْا بِيْرَ الْإِنْسَانِ أَمْآ خَلَقْنَاهُ  
مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ  
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ

دلیس - آیات ۷۷-۷۸) اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔

یعنی وہ لطف جس میں محض ایک ابتدائی جراثیمی حیات کے سوا کچھ نہ تھا، اس کو ترقی دے کر ہم نے اس حد تک پنچایا کہ وہ نہ صرف جانوروں کی طرح چلنے پھرنے اور کھانے پینے لگا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس میں شعور و تعقل اور بحیثیت استدلال اور تقریر و خطابت کی وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں جو کسی حیوان کو نصیب نہیں ہیں جیسا کہ اب وہ اپنے خالق کے بھی منہ آنے لگا۔ ہرے یعنی ہمیں مخلوقات کی طرح عاجز سمجھتا ہے اور یہ جہاں ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کسی مروے کو زندہ نہیں کر سکتا، اسی طرح ہم بھی نہیں کر سکتے۔

یہ بات بھول جاتا ہے کہ ہم نے بے جان مادہ سے وہ ابتدائی جراثیمی حیات پیدا کیا جو اس کا ذریعہ تخلیق بنا اور پھر اس جراثیمی کو پرورش کر کے اسے بیان تک بڑھا لائے کہ آج وہ ہمارے سامنے باتیں چھانٹنے کے قابل ہوا ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ  
انسان کو اس نے ٹھیکری جیسے موکھے بڑے ہوئے

(الرحمن - آیت ۱۴) گارے سے بنایا۔

تخلیق انسانی کے ابتدائی مراتب جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں ان کی سلسلہ دار ترتیب مختلف مقامات کی تصریحات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے: (۱) تراب، یعنی مٹی یا خاک، (۲) طین، یعنی گارا جو مٹی میں پاؤں ملا کر بنایا جاتا ہے، (۳) طین لازب، لیس دار گارا، یعنی وہ گارا جس کے اندر کافی دیر تک پڑے رہنے کے باعث لیس پیدا ہو جائے (۴) حَمَاءٌ مَّسْنُونٌ، وہ گارا جس کے اندر لوبو پیدا ہو جائے (۵) صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُونٍ كَالْفَخَّارِ، یعنی وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد پکی ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔ (۶) بَشَرٍ جَوْشَمِيٍّ کی اس آخری صورت سے بنایا گیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح پھونکی، جس کو فرشتوں سے

سجدہ کرایا گیا، اور جس کی جنس سے اس کا جڑا بنا یا گیا۔ (۷) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ۔ پھر آگے اس کی نسل ایک حقیر پانی جیسے ست سے چلائی گئی جس کے لیے دوسرے مقامات پر نطفہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

ان مدارج کے لیے قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کو ترتیب وار ملاحظہ کیجیے: كَسَلِ اٰدَمَ خَلْقَهُ مِنْ تُرَابٍ (ال عمران - ۵۹) بَدَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِينٍ (السجده - ۷۰) اَنَا خَلَقْتَهُمْ مِنْ طِينٍ لِاَزْبِ (المصافات - ۱۱) پوچھا اور پانچواں مرتبہ آیت زیر تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ اور اس کے بعد کے مراتب ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں: اِنِّي خَلَقْتُ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ۚ فَاِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَعْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي فَقَعَاكَ سَاجِدًا (ص - ۷۱ - ۷۲) خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً (النساء - ۱) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِيْنٍ (السجده - ۷۰) فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ (الحج - ۵)

### مدارج تخلیق

دیکھو پھر حقیر زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَمَا تَقِي رَبَّكُمْ قَبْلَ هَذَا خَلَقْتُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ (الاحزاب - ۷۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان ان مادوں سے پیدا کیا جاتا ہے جو سب کے سب زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور اس تخلیق کی ابتدا نطفے سے ہوتی ہے۔ یا یہ کہ نزع انسانی کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا جو براہ راست مٹی سے بنائے گئے تھے، اور پھر آگے نسل انسانی کا سلسلہ نطفے سے چلا۔ جیسا کہ سورہ سجدہ میں فرمایا: بَدَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِينٍ۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِيْنٍ (آیات ۷۰-۷۱) انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک ست سے چلائی جو حقیر پانی کی شکل میں نکلتا ہے۔

یہ اشارہ ہے کہ مختلف اطوار کی طرف جن سے ماں کے پیٹ میں بچہ گزرتا ہے۔ ان کی وہ تفصیلات بیان نہیں کی گئیں جو آج کل صرغ، طاقت و خوردبین ہی سے نظر آ سکتی ہیں، بلکہ ان بڑے بڑے نمایاں تغیرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اس زمانے کے عام بدو بھی واقف تھے۔ یعنی نطفہ قرار پانے کے بعد ابتداء

یہ دینت نون کا ایک دوسرا اسما ہے۔ پھر وہ گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل ہوتا ہے جس میں پتلے نسیب صورت لپیچ نہیں ہوتی اور آگے سپر کر انسانی شکل نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ استغاث کی مختلف حالتوں میں چونکہ تخلیق انسانی کے یہ سب مراحل لوگوں کے مشاہدے میں آتے تھے، انہی سے انھیں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے علم البینین کی تفصیلی تحقیقات کی نہ اس وقت ضرورت تھی نہ آج ہے۔

﴿وَجَاءَ خَلْقًا آخَرَ أَزْوَاجًا مِّنْ دُونِ الَّتِي كَانَتْ لَهُنَّ آيَاتٌ مِّنْ قَبْلُ ۚ فَكُنْنَ حَتِّمًا مِّنْ دُونِ الَّتِي كَانَتْ لَهُنَّ آيَاتٌ مِّنْ قَبْلُ ۚ﴾ (آیت ۴۱)

یعنی تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزرتا ہوا تمہیں موجودہ حالت پر لایا ہے۔ پتلے تمہارا وہ باپ کی صلب میں الگ الگ نطفوں کی شکل میں تھے۔ پھر خدا کی قدرت ہی سے یہ دونوں نطفے ٹھیک اور جھکاؤ استقرار عمل ہوا۔ پھر نو بیٹے تک ماں کے پیٹ میں بتدریج نشوونما دے کر تمہیں پوری انسانی شکل دی گئی اور تمہارے اندر وہ تمام قوتیں پیدا کی گئیں جو دنیا میں انسان کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تمہیں درکار تھیں۔ پھر ایک زائد بچے کی صورت میں تم بطین مادے سے باہر آئے اور ہر آن تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت تک ترقی دی جاتی رہی یہاں تک کہ تم جوانی اور کھولت کی عمر کو پہنچے۔ ان تمام منازل سے گزرتے ہوئے تم ہر وقت پوری طرح خدا کے بس میں تھے۔ وہ چاہتا تھا اور استقرار عمل ہی نہ ہونے دیتا اور تمہاری جگہ کسی اور شخص کا استقرار ہوتا۔ وہ چاہتا تھا تو ماں کے پیٹ ہی میں تمہیں اندھا، بہرا، گونگا یا پاہنج بنا دیتا یا تمہاری عقل میں کوئی فتور رکھ دیتا۔ وہ چاہتا تھا تو تم زندہ بچنے کی صورت میں پیدا ہی نہ ہوتے۔ پیدا ہونے کے بعد بھی وہ تمہیں ہر وقت ہلاک کر سکتا تھا۔ اس کے ایک اشارے پر کسی وقت بھی تم کسی حادثے کے شکار ہو سکتے تھے۔ جس خدا کے بس میں تم اس طرح بے بس ہو اس کے مستحق تم نے یہ کیسے سمجھ رکھا ہے کہ اس کی شان میں ہر گستاخی کی جا سکتی ہے، اس کے ساتھ ہر طرح کا ہرک حرام اور احسان فراموشی کی جا سکتی ہے، اس کے خلاف ہر قسم کی بغاوت کی جا سکتی ہے اور ان حرکتوں کا کوئی خمیازہ نہیں جھگٹنا پڑے گا۔

کیا وہ ایک حیرت انگیز پانی کا نطفہ نہ تھا جو درجہ مادہ میں ٹپکایا جاتا ہے، پھر وہ ایک دوسرا بنا، پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضا درست کیے، پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ

كَمْ يَدِكُمْ نُفُوسٌ مِّمَّنْ يَمُنُّونَ ۗ  
ثُمَّ كَانَتْ عَاقِبَةُ فَنَاقٍ فَسُويَ ۗ  
فَجَعَلَ مِنْهُ التَّوَابِغِينَ التَّوَابِغِينَ  
الْأُمِّيَّةَ ۗ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِعَدُوٍّ لِّعَلَىٰ  
أَنْ يُّحْيِيَ مِنَ التَّوَابِغِينَ ۗ

(القيمة - آیات ۲۰ تا ۲۷)

مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر دے؛

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی نطفے سے تخلیق کا آغاز کر کے پورا انسان بنا دینے تک کا سارا فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے۔ ان کے لیے تو فی الحقیقت اس دلیل کا جواب ہے ہی نہیں، کیونکہ وہ خواہ کتنی ہی ڈھٹائی برتیں، ان کی عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی کہ جو خدا اس طرح انسان کو دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ دوبارہ بھی اسی انسان کو وجود میں لے آنے پر قادر ہے۔ رہے وہ درگ جو اس صریح حکیمانہ فعل کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں وہ اگر بہت دھرمی پرتکے ہونے نہیں ہیں تو آخر ان کے پاس اس بات کی کیا توجیہ ہے کہ آغازاً فرینش سے آج تک مسلسل دنیا کے ہر حصے اور ہر قوم میں کس طرح ایک ہی نوعیت کے تخلیقی فعل کے نتیجے میں لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش مسلسل اس تناسب سے ہوتی چلی جا رہی ہے کہ کہیں کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہو کہ کسی انسانی آبادی میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی چلی جائیں اور آئندہ اس کی نسل چلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے، کیا یہ بھی اتفاقاً ہی ہوئے چلا جا رہا ہے؟ اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لیے آدمی کو کم از کم اتنا بے شرم ہونا چاہیے کہ وہ اٹھ کر بے تکلف ایک روزیہ دعویٰ کر بیٹھے کہ لندن اور نیویارک، ماسکو اور پکنگ اتفاقاً آپ سے آپ بن گئے ہیں۔

روح انسانی کی حقیقت

جب میں اسے پیدا کر چکوں اور اس میں اپنی روح

فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِيْ

سے کچھ پھونک دوں۔

(الحجر - آیت ۲۲)

انسان کے اندر جو روح پھونکی گئی ہے وہ دراصل صفات الہی کا ایک عکس یا پرتو ہے۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ، اختیار اور دوسری جتنی صفات انسان میں پائی جاتی ہیں، جن کے مجموعہ ہی کا نام روح ہے، یہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کا ایک بلکنا سا پرتو ہے جو اس کا بعد خاکی پر ڈالا گیا ہے، اور اسی پرتو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور ملائکہ سمیت تمام موجوداتِ ارضی کا مسجود قرار پایا ہے۔

یوں تو ہر وہ صفت جو مخلوق میں پائی جاتی ہے، اس کا مصدر و منبع اللہ تعالیٰ ہی کی کوئی نہ کوئی صفت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جَعَلَ اللهُ السَّخْمَةَ مَاءً جُرْدًا فَمَا مَلَكَ عِنْدَهُ تَسْعَةٌ وَتِسْعِيْنَ وَانزَلَ فِي الْاَرْضِ جُرْدًا وَاحِدًا فَمِنْ ذَلِكَ الْجُرْدِ يَبْدَأُ خَلْقَ الْخَلْقِ حَتَّى تَرْقَعِ السَّابَّةُ حَافِرَهَا عَنْ وَكَلِدَ مَا خَشِيَةَ اَنْ تُصَيَّبَ وَبَعَادَى وَمَسْلَمٌ اللهُ تَعَالَى لِنِعْمَتِهِ رَحْمَتٌ كَوْسُ حَقَّتْ فِي تَقْسِيمِ ذِيَابَا، پھر ان



میں سے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصہ زمین پر اتارا۔ یہ اسی ایک حصے کی برکت سے جس کی وجہ سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر ایک جانور اپنے بچے پر سے اپنا کھراٹھاتا ہے تاکہ اسے ضرر نہ پہنچ جائے تو یہ بھی دراصل اسی حصہ رحمت کا اثر ہے۔

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ مَّنْ دُونِهَا      پھر اس کو بیک سگ سے درست کیا اور اس کے

(السجدہ - آیت ۹)      اندر اپنی روح پھونک دی۔

روح سے مراد محض وہ زندگی نہیں ہے جس کی بدولت ایک ذی حیات جسم کی خمیں متحرک ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ خاص جوہر ہے جو فکر و شعور اور عقل و تمیز اور فیصلہ و اختیار کا حامل ہوتا ہے جس کی بدولت انسان تمام دوسری مخلوقات ارضی سے ممتاز ایک صاحب شخصیت ہستی، صاحب انا ہستی، اور عامل خلافت ہستی بنتا ہے۔ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یا تو اس معنی میں فرمایا ہے کہ وہ اسی کی بلکہ ہے اور اس کی ذات پاک کی طرف اس کا انتساب اسی طرح کا ہے جس طرح ایک چیز اپنے مالک کی طرف منسوب ہو کر اس کی چیز کہلاتی ہے۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر علم، فکر، شعور، ارادہ، فیصلہ، اختیار اور ایسے ہی دوسرے جو اوصاف پیدا ہوئے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں۔ ان کا سرچشمہ مادے کی کوئی ترکیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ کے علم سے اس کو علم ملا ہے، اللہ کی حکمت سے اس کو دانائی ملی ہے، اللہ کے اختیار سے اس کو اختیار ملا ہے۔ یہ اوصاف کسی بے علم، بے دانش اور بے اختیار ماخذ سے انسان کے اندر نہیں آتے ہیں۔

دو صنفوں کی متناسب تخلیق

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے

لہ مگر جو چیز انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جامعیت کے ساتھ اللہ کی صفات کا پرتو اس پر ڈالا گیا ہے اس سے کوئی دوسری مخلوق سرفراز نہیں کی گئی۔

یہ ایک ایسا باریک مضمون ہے جس کے سمجھنے میں ذرا سی غلطی بھی آدمی کو جائے تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ صفات الہی میں سے ایک حصہ پانا اور ہستی کا کوئی جز پالینے کا ہم معنی ہے۔ حالانکہ اگر ہستی اس سے دراصل الوداع ہے کہ کوئی مخلوق اس کا ایک ادنیٰ شائبہ بھی پاسکے۔ (از مؤلف)

اَنْفُسِكُمْ اَنْعَاجًا لَتَسْكُنُوا اِيَّهَا -

تمہارے لیے تمہاری جنس سے میوے بنائیں

السدوم - آیت (۲۱)

تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔

خالق کا کمالِ حکمت یہ ہے کہ اس نے انسان کی صرف ایک صنف نہیں بنائی، بلکہ اسے دو صنفوں (SEXES) کی شکل میں پیدا کیا جو انسانیت میں یکساں ہیں، جن کی بناوٹ کا بنیادی فارمولا بھی یکساں ہے، مگر دونوں ایک دوسرے سے مختلف جسمانی ساخت، مختلف ذہنی و نفسی اوصاف اور مختلف جذبات و داعیات لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ اور پھر ان کے درمیان یہ حیرت انگیز مناسبت رکھ دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہے، ہر ایک کا جسم اور اس کے نفیات و داعیات دوسرے کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کا مکمل جواب ہیں۔ مزید برآں وہ خالقِ حکیم ان دونوں صنفوں کے افراد کو آغازِ آفرینش سے برابر اس تناسب کے ساتھ پیدا کیے چلا جا رہا ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی کسی قوم یا کسی خطہ زمین میں صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوتے ہوں، یا کہیں کسی قوم میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان ذرہ برابر بھی نہ اس معاملہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے کہ لڑکیاں مسلسل ایسی زمانہ خصوصیات اور لڑکے مسلسل ایسی مردانہ خصوصیات لیے ہوئے پیدا ہوتے رہیں جو ایک دوسرے کا ٹھیک جوڑ ہوں، اور نہ اس معاملہ ہی میں اس کے پاس اثر انداز ہونے کا کوئی ذریعہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی پیدائش اس طرح مسلسل ایک تناسب کے ساتھ ہوتی چلی جائے۔ ہزار ہا سال سے کروڑوں اور اربوں انسانوں کی پیدائش میں اس تدبیر و انتظام کا اتنے متناسب طریقے سے پیہم جاری رہنا اتفاقاً بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ بہت سے خداؤں کی مشترک تدبیر کا نتیجہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک خالقِ حکیم، اور ایک ہی خالقِ حکیم نے اپنی غالب، حکمت و قدرت سے ابتداءً مرد اور عورت کا ایک مزدوں ترین ڈیزائن بنایا، پھر اس بات کا انتظام کیا کہ اس ڈیزائن کے مطابق بے حد و حساب مرد اور عورت کے حساب عورتیں اپنی الگ الگ انفرادی خصوصیات لیے ہوئے دنیا بھر میں ایک تناسب کے ساتھ پیدا ہوں۔

یہ انتظام اللہ ہی نہیں ہو گیا ہے بلکہ بنانے والے نے بالارادہ اس غرض کے لیے یہ انتظام کیا، کہ مرد اپنی فطرت کے تقاضے عورت کے پاس، اور عورت، اپنی فطرت کی مانگ مرد کے پاس پائے اور دونوں

ایک دوسرے سے وابستہ ہو کر ہی سکون و اطمینان حاصل کریں۔ یہی وہ حکیمانہ تدبیر ہے جسے خالق نے ایک طرف انسانی نسل کے برقرار رہنے کا، اور دوسری طرف انسانی تہذیب و تمدن کو وجود میں لانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر یہ دونوں صنفیں محض الگ الگ ڈیزائنوں کے ساتھ پیدا کر دی جاتیں، اور ان میں وہ اضطراب نہ رکھ دیا جاتا جو ان کے باہمی اتصال و وابستگی کے بغیر تبدیل سکون نہیں ہو سکتا تو انسانی نسل تو ممکن ہے کہ بھیڑ بکریوں کی طرح چل جاتی، لیکن کسی تہذیب و تمدن کے وجود میں آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ تمام انواع حیوانی کے برعکس نوع انسانی میں تہذیب و تمدن کے رونما ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ خالق نے اپنی حکمت سے مرد اور عورت میں ایک دوسرے کے لیے وہ مانگ، وہ پیاس، وہ اضطراب کی کیفیت رکھ دی جسے سکون میسر نہیں آتا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جڑ کر نہ رہیں۔ یہی سکون کی طلب ہے جس نے انہیں مل کر گھر بنانے پر مجبور کیا۔ اسی کی بدولت خاندان اور قبیلے وجود میں آئے۔ اور اسی کی بدولت انسان کی زندگی میں تمدن کا نشوونما ہوا۔ اس نشوونما میں انسان کی ذہنی صلاحیتیں مردگار ضرور ہوتی ہیں۔ گارڈ کی اصل محرک نہیں ہیں۔ اصل محرک یہی اضطراب ہے جسے مرد و عورت کے وجود میں ودیعت کر کے انہیں "گھر" کی تاسیس پر مجبور کر دیا گیا۔ کون صاحب عقل یہ سوچ سکتا ہے کہ داناٹی کا یہ شاہکار فطرت کی اندھی طاقتوں سے محض اتفاقاً سرزد ہو گیا ہے؟ یا بہت سے خدا یہ انتظام کر سکتے تھے کہ اس گہرے حکیمانہ مقصد کو ملحوظ رکھ کر ہزار ہا برس سے مسلسل بے شمار مردوں اور بے شمار عورتوں کو یہ خاص اضطراب لیے ہوئے پیدا کرتے چلے جائیں؟ یہ تو ایک حکیم اور ایک ہی حکیم کی حکمت کا صریح نشان ہے جسے صرف عقل کے اندھے ہی دیکھنے سے انکار کر سکتے ہیں۔ (۳۶)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ

اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا

بَشَرًا فَبَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا

کیا، پھر اس کے نسب اور سسرالی کے دو

(الفرقان - آیت ۵۲) الگ سلسلے چلائے۔

بچائے خود یہی کہ شمع کیا کم تھا کہ وہ ایک حقیر پانی کی بوند سے انسان جیسی حیرت انگیز مخلوق بنا کر شری کر تا ہے مگر اس پر مزید کہ شمع یہ ہے کہ اس نے انسان کا بھی ایک نمونہ بنیاد، بلکہ وہ الگ نمونے (عورت اور مرد) بنائے جو انسانیت میں یکساں مگر جسمانی و نفسیاتی خصوصیات میں نہایت مختلف ہیں اور اس اختلاف کی وجہ سے باہم مخالف و متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہیں۔ چہرہ بوزو

کو ملا کر وہ عجیب تو ازن سے (جس میں کسی دوسرے کی تدبیر کا ادنیٰ دخل بھی نہیں ہے) دنیا میں مرد بھی پیدا کر رہے اور عورتیں بھی، جن سے ایک سلسلہ تعلقات بیٹیوں اور پوتوں کا چلتا ہے جو دوسرے گھروں سے بہوئیں لاتے ہیں، اور ایک دوسرا سلسلہ تعلقات بیٹیوں اور نواسیوں کا چلتا ہے جو دوسرے گھروں کی بہوئیں بن کر جاتی ہیں۔ اس طرح خاندان سے خاندان جوڑ کر پورے پورے ملک ایک نسل اور ایک نسل سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔

جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے	يَخْتُلِقُ مَا يَشَاءُ وَيَهْبِئُ لِمَنْ
لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا	يَشَاءُ مَا يَشَاءُ وَيَهْبِئُ لِمَنْ يَشَاءُ
ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں بلا	الذَّكُورَ أَوْ يُنْذِرُ لَهُمْ ذُرِّيَّتًا
کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا	فَمَا يَشَاءُ وَيَجْعَلُ مِنْ يَشَاءُ
ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر	عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ
قادر ہے۔	رالشوریٰ - آیت ۵۰

یہ اللہ کی بادشاہی کے مطلق (ABSOLUTE) ہونے کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے کوئی انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے۔ جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا، جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا، اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پاسکا۔ اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک نہ معلوم کر سکا کہ رحم مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی میں مختار کل ہونے کا زعم کرے، یا کسی دوسری ہستی کو اختیاراً میں دخل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا۔

کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے؟ نطفہ	مِنْ آيٍ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ
کی ایک لوند سے۔ اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر	نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَ كَـ

ر عیسیٰ - آیات - ۱۸ - ۱۹)

اس کی تقدیر مقرر کی۔

یعنی پہلے تو ذرا یہ اپنی حقیقت پر غور کرے کہ کس چیز سے یہ وجود میں آیا؟ کس جگہ اس نے پرورش پائی؟ کس راستے سے یہ دنیا میں آیا؟ اور کس بے بسی کی حالت، سے دنیا میں اس کی زندگی کی ابتدا ہوئی؟ اپنی اس اصل کو بھول کر یہ بچو مادہ گیرے نیست کی غلط فہمی میں کیسے مبتلا ہو جاتا ہے اور کہاں سے اس کے صانع میں یہ ہوا پھر جاتی ہے کہ اپنے خالق کے منہ آئے۔

یہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں بن رہا تھا کہ اس کی تقدیر طے کر دی گئی۔ اس کی جنس کیا ہوگی؟ اس کا رنگ کیا ہوگا؟ اس کا قد کتنا ہوگا؟ اس کی جسامت کیسی اور کس قدر ہوگی؟ اس کے اعضا کس حد تک صحیح و سالم اور کس حد تک ناقص ہوں گے؟ اس کی شکل و صورت اور آواز کیسی ہوگی؟ اس کے جسم کی طاقت کتنی ہوگی؟ اس کے ذہن کی صلاحیتیں کیا ہوں گی؟ کس سر زمین، کس خاندان، کن حالات اور کس ماحول میں یہ پیدا ہوگا؟ پرورش اور تربیت پائے گا اور کیا بن کر اٹھے گا؟ اس کی شخصیت کی تعمیر میں موروثی اثرات، ماحول کے اثرات اور اس کی اپنی خودی کا کیا اور کتنا اثر ہوگا؟ کیا کردار یہ دنیا کی زندگی میں ادا کرے گا، اور کتنا وقت اسے زمین پر کام کرنے کے لیے دیا جائے گا؟ اس تقدیر سے یہ بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا۔ نہ اس میں ذرہ برابر رد و بدل کر سکتا ہے۔ پھر کیسی عجیب ہے اس کی یہ جرات کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے آگے یہ اتنا بے بس ہے اس کے مقابلہ میں کفر کرتا ہے۔

اَللّٰهُ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ ۝  
فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَوَارِیْہِ مَکَیْنٍ ۝ اِلٰی قَدَرٍ  
مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِرُوْنَ ۝  
کیا ہم نے حقیر بانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور  
ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ ٹھہرائے  
رکھا؟ تو دیکھو! ہم اس پر قادر تھے پس ہم بہت  
اتجہی قدرت رکھنے والے ہیں۔

رالمرسلت - آیات ۳۰ تا ۳۳)

اصل الفاظ ہیں قَدَرٌ مَّعْلُوْمٌ - ۳۱؛ کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ وہ مدت مقرر ہے، بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اس کی مدت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ کسی بچے کے متعلق کسی ذریعہ سے بھی انسان کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کتنے مہینے، کتنے دن، کتنے گھنٹے اور کتنے منٹ اور کتنے سیکنڈ ماں کے پیٹ میں رہے گا اور اس کا ٹھیک وقت ولادت کیا ہوگا۔ اللہ ہی نے ہر بچے کے لیے ایک خاص مدت مقرر کی کی ہے اور وہی اس کو جانتا ہے۔

رحم مادر جس میں استقرار عمل ہوتے ہی بچے کو اتنی مضبوطی ملے ساتھ جہاں باپ سے ورنے کے لئے اس کی حفاظت، اور پرورش کے کیے جاتے ہیں کہ کسی شدید حادثے کے بغیر ۳۰ تا ۴۰ سال تک۔  
 یہ بھی غیر معمولی تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں جو فن طب کی جدید ترقیات کے باوجود نرس اور نقصان سے خالی نہیں ہے۔

### قدرتِ الہی کے کرشمے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ، ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْقًا فِيْ قَدَارٍ مَّكِيْنٍ (المؤمنون - آیات ۱۲-۱۳)

ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر اسے ایک مخصوص جگہ چکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔

کوئی خالی الذہن آدمی بچے کو ماں کے رحم میں پرورش پاتے دیکھ کر یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہاں وہ انسان تیار ہو رہا ہے جو باہر جا کر عقل و دانائی اور صنعت کے یہ کچھ کالات دکھائے گا اور ایسی ایسی حیرت انگیز قوتیں اور صلاحیتیں اس سے ظاہر ہوں گی۔ وہاں وہ ہڈیوں اور گوشت پوست کا ایک پلندہ سا ہوتا ہے جس میں وضع حمل کے آغاز تک زندگی کی ابتدائی خصوصیات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نہ سماعت، نہ بصارت، نہ گریائی، نہ عقل و خرد، نہ اور کوئی خوبی۔ مگر باہر آ کر وہ چیز ہی کچھ اور بن جاتا ہے جس کو پیٹ والے جنین سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ اب وہ ایک سمیع و بصیر اور ناطق وجود ہوتا ہے۔ اب وہ تجربے اور مشاہدے سے علم حاصل کرتا ہے۔ اب اس کے اندر ایک ایسی خودی ابھرنی شروع ہوتی ہے جو بیداری کے پہلے ہی لمحہ سے اپنی دسترس کی ہر چیز پر تسلط جاتی اور اپنا زور منوانے کی کوشش کرتی ہے۔ پھر وہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے، اس کی ذات میں یہ چیزیں دیگر ہونے کی کیفیت نمایاں تر اور افزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ جوان ہوتا ہے تو بچپن کی نسبت کچھ اور ہوتا ہے۔ ادھیڑ ہوتا ہے تو جوانی کے مقابلے میں کوئی اور چیز ثابت ہوتا ہے۔ بڑھاپے کو پہنچتا ہے تو نئی نسلوں کے ایسے یہ اندازہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کا بچپن کیا تھا اور جوانی کیسی تھی۔ اتنا بڑا تغیر کم از کم اس دنیا کی کسی دوسری مخلوق میں واقع نہیں ہوتا۔ کوئی شخص ایک طرف کسی نچتے عمر کے انسان کی طاقتیں اور قابلیتیں اور کام دیکھے، اور دوسری طرف یہ تصور کرے کہ چھ ماہ کی بچہ پانچ برس پہلے ایک روز جو بوند ٹپک کر رحم مادر میں گری تھی اس کے اندر یہ کچھ بھرا ہوا تھا، تو بے اختیار اس کی زبان سے فَبَدَأَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ہی نکلے گا۔

## وجود انسان سے خالق اور اس کے حقوق پر استشہاد

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَمِلْتَ بِرَبِّكَ  
الْكَرِيمِ ۚ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوِّغْ  
فَعْدْلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ  
رَبُّكَ ۗ

اے انسان، کس چیز نے تجھے اپنے اس رب  
کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا، جس نے  
تجھے پیدا کیا، تجھے بک شک سے درست کیا۔  
تجھے متناسب نیا یا اور جس صورت میں چاہا،  
تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔

(الانفطار - آیات ۶ تا ۸)

یعنی کوئی معقول وہ جس دھوکے میں پڑنے کی نہیں ہے۔ تیرا وجود خود تیار ہوا ہے کہ تو خود نہیں بن گیا ہے، تیرے  
ماں باپ نے بھی تجھے نہیں بنایا ہے، عناصر کے آپ سے آپ بجز بنانے سے بھی، اتفاقاً تو انسان بن کر پیدا نہیں ہو  
گیا ہے، بلکہ ایک خدائے نیکم نے تو انانے تجھے اس مکمل انسانی شکل میں ترکیب دیا ہے۔ تیرے سامنے ہر قسم کے  
جانور موجود ہیں جن کے مقابلے میں تیری بہترین ساخت اور تیری افضل و اشرقت، تو تیرا صداقت نمایاں ہیں عقل  
کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر تیرا سرا ہر ارحمان سے جھک جا اور اس پر یہ کریم کے مقابلے میں، تو کبھی نافرمانی  
کی جرات نہ کرنا۔ تو یہ جانتا ہے کہ تیرا رب صرف رحیم و کریم ہی نہیں ہے، بجز ارقم ہا رہی ہے۔ جب اس کی طرف  
سے کوئی زلزلہ یا طوفان یا سیلاب آجاتا ہے تو تیری ساری تدبیریں اس کے مقابلہ میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ تجھے  
یہ بھی معلوم ہے کہ تیرا رب جاہل و نادان نہیں بلکہ حکیم و داناستا ہے، اور حکمت و دانائی کا لازمی تقاضا یہ ہے  
کہ جسے عقل دی جائے اس کے اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جائے، جسے اختیارات دیے جائیں اس سے حساب  
بھی لیا جائے کہ اس نے اپنے اختیارات کو کیسے استعمال کیا، اور جسے اپنی ذمہ داری پہنچی اور بدی کرنے  
کی طاقت دی جائے اسے نیکی پر جبر اور سزا بھی دی جائے۔ یہ سب حقیقتیں تیرے سامنے روز روشن کی طرح  
عیاں ہیں، اسی لیے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے رب کریم کی طرف سے جس دھوکے میں تو پڑ گیا ہے اس کی  
کوئی معقول وجہ موجود ہے۔ تو خود جب کسی کا افسوس ہوتا ہے تو اپنے اس ماتحت کو کہتے سمجھتا ہے جو تیری شرقت  
اور نرم دلی کو کمزوری سمجھ کر تیرے سر چڑھ جائے۔ اس لیے تیری اپنی فطرت یہ گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ  
نانک کا کریم ہرگز اس کا موجب نہ ہونا چاہیے کہ بندہ اس کے مقابلے میں جبری ہو جائے اور اس غلط فہمی میں پڑ  
جائے کہ میں جو کچھ چاہوں کروں، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔